محترمہ بے نظیر بھٹو

انتہا پسندوں کی حکومت قائم ہونے کا خطرہ

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی قائد محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس مضمون میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے اس خطہ میں ابھرنے والے اسلامی جذبات کے بارے میں لبرل سیاستدانوں کی سوچ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ روزنامہ اوصاف اسلام آباد کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون شائع کیا جا رہا ہے اور دینی جماعتوں کے قائدین اور کارکنوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

پاکستانی عوام ششدر ہیں کہ بھارت نے کیا سوچ کر پاکستان نیوی کے طیارے اٹلانٹک کو سر کریک کے علاقہ میں مار گرایا۔ نالیا ایئربیس کے بھارتی پائلٹوں کو اٹلانٹک کی پرواز کے متعلق اچھی طرح آگاہی تھی کیونکہ یہ جہاز کئی سالوں سے اس علاقے پر پرواز کرتا رہا تھا۔ اٹلانٹک بھی اسی رینج تک پرواز کرتا تھا جہاں تک نالیا ایئربیس کے مگ فائٹر جہاز پرواز کرتے رہتے ہیں۔ اٹلانٹک پر کوئی جنگی اسلحہ نہیں تھا اور یہ صرف سمندری علاقوں کی نگرانی کرنے والے آلات سے لیس تھا۔

ایسا نہیں ہے کہ اٹلانٹک کو جوش میں آکر نشانہ بنایا گیا۔ اسی بیس سے اٹھارہ مہینے پہلے ایک کمانڈر کو اس وجہ سے ڈیموٹ کیا گیا تھا کہ یہاں سے جرمنی کے سویلین جہاز پر فائر کیا گیا تھا اور اس وقوعہ کے بعد کسی قسم کی محاذ آرائی کے بارے میں بہت سخت اصول وضع کیے گئے تھے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس نہیں کہ کسی کمانڈر یا پائلٹ نے بغیر پیشگی ہدایات کے میزائل داغنے کا حکم دیا ہو۔

۱۹۹۱ء کے پاک بھارت معاہدے کے تحت نہتے جہاز کو سرحد سے ایک کلو میٹر کے فاصلے اور لڑاکا جہاز کو دس کلو میٹر کے فاصلے پر پرواز کرنے کی اجازت ہے۔ بھارت کی تشریح کے مطابق نگرانی کرنے والے جہاز لڑاکا جہازوں کی کیٹیگری میں آتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک نہتے جہاز کو گرانا کسی طور پر بجا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کچھ رپورٹوں میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ اٹلانٹک کے پائلٹ نے اپنا جہاز ہندوستانی ایئرپورٹ پر اتارنے کی ہدایات نہ مانیں اور اٹلانٹک کو بھارتی مگ طیارے سے ٹکرانے کی کوشش کی لیکن کسی قسم کی ایسی گفتگو کی ٹیپ نہیں مل سکی۔

بھارتی ترجمان نے اٹلانٹک پر جاسوسی کرنے کا الزام عائد کیا لیکن سرحد کے ۱۰ سے ۱۵ کلو میٹر اندر تک کسی قسم کی فوجی تنصیبات نہیں ہیں۔ یہ کہنا بھی بعید از قیاس ہے کہ اٹلانٹک اسلحہ بھارت سمگل کرنے کے راستے ڈھونڈ رہا تھا کیونکہ سمگلنگ کے راستے وہاں سے زیادہ آسان ہیں جہاں آبادی زیادہ ہے۔

یہ تسلیم کرنا بھی مشکل ہے کہ اٹلانٹک کو گرائے جانے کا فیصلہ حادثاتی تھا جو کارگل کی محاذ آرائی سے پیدا ہونے والی کشیدہ صورتحال میں پیش آگیا۔ اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ پاکستانی طیارے کو گرائے جانے کا فیصلہ واضح طور پر اعلیٰ سطح پر کیا گیا۔ یہ مقامی سطح پر کسی پائلٹ یا بیس کمانڈر کا فیصلہ نہیں تھا۔

کیا یہ کارگل کے محاذ پر بھارتی جہاز کے ضائع ہو جانے کا بدلہ تھا؟ اگر ایسا ہے تو بھارت کے ضبط اور بلوغت کے دعوؤں کے برخلاف یہ انتہائی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

کیا ایسا تھا کہ کارگل کے محاذ پر بھارت اپنی فتح ثابت کرنا چاہتا تھا؟ اور یہ بھی کہ پاکستان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ کسی جارحیت کا جواب دینے کے قابل نہیں رہا۔ بین الاقوامی برادری کو امید تھی کہ بھارت پاکستان کے ساتھ اپنے تنازعات کے حل کے لیے بات چیت کرے گا لیکن ایسا لگتا ہے کہ بھارت الیکشن کی گہما گہمی میں اس بات چیت کو ٹالنا چاہتا تھا یا شاید بی جے پی نے بھارت میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا۔

نواز حکومت کی سیاسی حمایت سے محروم کارگل کی غلطی اصل میں بھارت کے جنگجو عناصر کے ہاتھوں میں کھیلنا تھی۔

بس ڈپلومیسی کے متعلق جو شکوک و شبہات تھے وہ اس کارگل کی غلطی کی وجہ سے پاکستان کی دوغلی پالیسی کے خدشات کو مزید تقویت پہنچانے کا سبب بنے۔ بھارت میں برف پوش پہاڑوں سے جب فوجیوں کی لاشیں ان کے گھروں میں آئیں تو پاکستان کو سبق سکھانے کا جذبہ شدید ہوگیا۔ اور جو لوگ پاکستان کے کشمیر کے بارے میں خدشات کو اہمیت دیتے تھے انہیں خاموش کر دیا گیا۔ بھارت میں جنگجو عناصر پاکستان کو نیچا دکھانا چاہتے تھے اور انہوں نے پاکستان بحریہ کا جہاز مار گرایا اور سولہ افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔

اگر حالات دوسرے ہوتے تو پاکستانی افواج حکومت سے بھارت کو اس جارحیت کا جواب دینے کی اجازت مانگتیں اور شاید یہ اجازت انہیں مل بھی جاتی اور ابھی بھی حکومتی پارٹی اور افواج پاکستان میں ایسی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ بھارت کو جواب دینے کے لیے صحیح وقت اور جگہ کا انتخاب کرنے کا پلان موجود ہو۔ ہندوستان کے لیے یہ بہت موافق ہوگا کیونکہ بی جے پی کے لیے انتخابات میں مددگار ثابت ہوگی جبکہ بین

الاقوامی طور پر اسے بہت کم نقصان ہوگا۔ کارگل کے بعد کشمیریوں کے لیے بین الاقوامی رائے پاکستان کے خلاف ہو چکی ہے۔

پاکستان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ کارگل کی غلطی سے ہونے والے نقصان کا ادراک کرے۔ یہ نقصان سہ طرفہ ہے۔ پہلا نقصان تو پاکستانی قوم کی ندامت ہے۔ دوسرا بھارت سے بات چیت میں پاکستان کی پوزیشن کمزور ہونا ہے اور تیسرا نقصان یہ ہوا ہے کہ کشمیر میں آزادی کی جدوجہد میں انتہا پسندوں کے کردار کے بارے میں بین الاقوامی برادری فکرمند ہوگئی ہے۔

مغرب اور چین پاکستان میں پرورش پانے والے انتہا پسندوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پاکستان کے مقامی انتہا پسند جنہیں غیر ملکی سرمایہ سے مذہبی مدرسوں میں تربیت دی جاتی ہے نہ صرف پاکستان کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرہ تصور کیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق گلف ممالک اور مصر میں بھی یہی خدشات پائے جاتے ہیں۔

کارگل کی غلطی کی وجہ سے پوری دنیا جو کشمیریوں کی جدوجہد سے ہمدردی رکھتی تھی وہ اب یہ سمجھ رہی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور کارفرما ہے۔ آزادی کی تحریک پسندیدہ ہے لیکن انتہا پسندی نہیں۔ پاکستان کے لیے اب مشکل صورتحال سامنے ہے۔ پاکستان کو اب کیمونزم کے مقابلے میں ہر اول دستہ کی بجائے الگ شناخت بنانی پڑے گی کیونکہ سوویت یونین کے ختم ہونے کے بعد حالات اب مختلف ہیں۔

اب پاکستانی عوام کو انتہا پسندی اور لبرل قدروں میں سے ایک کا چناؤ کرنا پڑے گا۔ کوئی درمیانی راہ کہ اپنے گھر میں انتہا پسندوں کو فروغ دیا جائے اور بیرونی ممالک میں ماڈرن پاکستان کی تصویر پیش کی جائے' نہیں اختیار کی جا سکتی۔ اب اس نئے ورلڈ آرڈر میں پاکستان کو اپنی حیثیت خود بنانی پڑے گی اور بین الاقوامی برادری کو اپنے استحکام اور نمو پذیر ہونے کا ثبوت دینا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر معاشی ابتری پاکستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اقتصادیات کی وجہ سے یورپ اور ایشیا میں نئی سرحدیں وجود میں آچکی ہیں۔ سوویت یونین کا بکھرنا اور یوگوسلاویہ اور چیکوسلاواکیہ کی مثالیں اس ملک کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں جو عالمی مالیاتی اداروں کی طرف سے قرضوں کی سہ ماہی قسطوں پر زندہ ہے۔

کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی وجہ سے بین الاقوامی دلچسپی ملک کے لیے برقرار رہے گی۔ یہ ایٹمی بلیک میل تنگ نظری پر مبنی ہے اور پاکستان' جنوبی ایشیا اور دنیا بھر کے لیے خطرناک ہے' ایٹمی قوت ہونے کے باوجود سوویت یونین ٹوٹ گیا اور یہی ایٹمی صلاحیت پاکستان کو کارگل کے محاذ پر پسپائی اور یکطرفہ انخلاء سے نہ بچا سکی۔

اب نئی صدی میں قدم رکھتے ہوئے پاکستان کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ پسماندہ ماضی سے خوشحال مستقبل کا راستہ اختیار کرے گا یا نہیں؟ پاکستان انتہا پسندی اور ڈکٹیٹر شپ کی راہ اختیار کر سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ایٹمی ہتھیار اس کی پہچان ہے یا پاکستان روشن خیال اور جمہوری لیڈر شپ کی راہ اختیار کرتا ہے جو سرد جنگ کے بعد علاقائی مارکیٹ کو خوشحال پاکستان کی ضامن سمجھتی ہے۔

نواز شریف کا مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف زبانی احتجاج قابل اعتبار نہیں۔ پچھلے ہفتہ اسلام آباد میں جماعت اسلامی کی ریلی اس بات کا ثبوت ہے کہ انتہا پسند نواز حکومت کے دور میں کتنا پھل پھول رہے ہیں۔ انتہا پسندوں کو گلے لگانے اور روشن خیالوں کے خلاف کاروائیوں سے انتہا پسندوں کو تقویت مل رہی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ واشنگٹن سے واپس آنے کے بعد نواز شریف نے سپاہ صحابہ کے ایک لیڈر کو جیل سے رہا کرنے کا حکم صادر کیا۔ روزانہ خبریں آرہی ہیں کہ مذہبی مدرسوں سے سینکڑوں طلبہ طالبان اسامہ بن لادن کی مدد کے لیے افغانستان جا رہے ہیں۔ نواز حکومت نے افغانستان میں اس مداخلت پر اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ پاکستان دنیا بھر سے لڑ رہا ہے۔ ایران اور وسطی ایشیا کے ممالک افغانستان کی صورتحال پر متفکر ہیں۔ کارگل کے مسئلہ پر چین بھی پاکستان کی کھل کر مدد نہیں کر سکا۔ کرائے کے فوجی افغانستان داخل ہو رہے ہیں۔ بھارت کے ساتھ بات چیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک مذہبی لیڈر نے پاکستان میں سارے امریکیوں کے قتل کا فتویٰ جاری کیا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ افغانستان پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے یا اسامہ بن لادن کو اغوا کرنا چاہتا ہے اور امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے امریکیوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ پاکستان کا سفر نہ کریں۔

ان سارے حالات کی ذمہ داری نواز شریف پر عائد ہوتی ہے۔ نواز حکومت نے ملک کے لیے اچھے مستقبل کی راہ اپنانے کا موقع ضائع کر دیا ہے۔ نواز شریف کا اقتدار بد انتظامی اور معاشی افراتفری کے بوجھ تلے ڈوب رہا ہے اور انہوں نے ہندوستان کی جانب سے ایٹمی دھماکے کے بعد ملک کی بہتری کا اچھا موقع کھو دیا۔ اب جبکہ نواز شریف کی مطلق العنان حکومت کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ روشن خیالی اور انتہا پسندی میں سے کوئی ایک راہ اپنانے کا وقت آگیا ہے۔

ایک راہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ جمہوریت قائم کرنا ہے اور دوسری راہ فوج کی پشت پناہی سے انتہا پسندوں کی حکومت کا قیام ہے۔